عوامی جمہوریت اور فلاحی ریاست

مستقبل

فرخ سہیل گوئندی

03-05-2013

اگلے چند دنوں میں نگران حکومتیں قائم ہو جائیں گی اور اسی دوران سیاسی جماعتیں انتخابی اتحاد اور انتخابات میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کے لیے اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں گی۔ پاکستان کی سیاسی تاریخ میں دوسری بار ایسا ہے کہ ایک منتخب حکومت کے مینڈیٹ مکمل ہونے کے بعد انتخابات منعقد ہو رہے ہیں۔ اس سے پہلے مارچ 1977ء میں پاکستان پیپلز پارٹی کی ہی حکومت تھی کہ جب ایک سیاسی حکومت اپنی آئینی مدت پوری کرنے کے بعد انتخابات میں داخل ہوئی۔ پاکستان کی شکستہ جمہوری تاریخ میں یہ ایک خوش آئند رجحان ہے، اس کا کریڈٹ جہاں پاکستان پیپلز پارٹی اور ان کے اتحادیوں کو جاتا ہے وہیں اس منتخب جمہوری حکومتی ڈھانچے کی مدت پوری کرنے کا کریڈٹ اپوزیشن کو بھی جاتا ہے۔ گو ہم نے ان پانچ برسوں میں کبھی کبھی حکومت اور اپوزیشن کے درمیان محاذ آرائی کو اس نہج پر دیکھا کہ جب یہ کہا گیا کہ بس یہ منتخب ڈھانچا اپنی مدت پوری کرنے سے پہلے ہی لپیٹ دیا جائے گا، لیکن عملی طور پر ایسا نہیں ہوا۔ اس پر مختلف حلقوں، خصوصاً نومولود الیکٹرانک میڈیا نے پاکستان مسلم لیگ (ن) پر دوستانہ اپوزیشن کی تہمت بھی لگائی۔ لیکن میڈیا کے ان نوخیز چہروں کو علم ہونا چاہیے کہ منتخب نظاموں میں اپوزیشن دوستانہ ہی ہوتی ہے، دشمن اپوزیشن صرف آمرانہ نظام میں ابھرتی ہے۔ اس سیاسی ڈھانچے نے اپنی آئینی مدت کر کے ایسی فضا قائم کر دی ہے کہ لوگ اب ووٹوں کے ذریعے ایک بار پھر اپنی رائے کا مظاہرہ کریں۔

جمہوریت کے اس دَور میں پاکستان میں آئینی نکات اور اختیارات کی کشمکش اپنے عروج پر رہی اور ہم نے یہ بھی دیکھا کہ عدالت عظمیٰ نے ایک منتخب وزیر اعظم کو رخصت کر دیا۔ اختیارات کی یہ کشمکش ریاستی اداروں کے غیر مستحکم ہونے کا پیغام بھی دیتی ہے، اس لیے کہ جس ریاست میں مرکزیت پسند آمرانہ روایات طاقت پکڑ چکی ہوں وہاں پر ہر ریاستی ادارہ اپنی حدود سے تجاوز کرنے کو اپنا حق سمجھتا ہے۔ فوج، عدلیہ، مقننہ، سیاسی جماعتیں اور میڈیا تمام اس رجحان کا شکار ہیں۔ یقیناً وقت کے ساتھ تمام ادارے اپنے اختیارات کی تشریح آئین کے مطابق طے کردہ کردار کے تحت کرنے کے قابل ہوں گے۔ رائج یا متعارف جمہوریت سے انقلاب اور بڑی سماجی تبدیلی کا خواب بھی ایک طفلانہ خواہش ہے اور ایسے ہی ایک پسماندہ سماج میں، جو غیر تعلیم یافتہ، نیم سرمایہ دارانہ، جاگیردارانہ، قبائلی روایات کے ستونوں کھڑا ہے، سیکنڈ ے نیوین جمہوریت کی خواہش رکھنا اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔ اقتصادی و معاشی ترقی اور سماجی انصاف کا آئیڈیل نظام سماج کے بوسیدہ نظام کو ڈھائے بغیر اور ایک پسماندہ ریاستی ڈھانچے کی جگہ ایک جدید، فلاحی اور غیر مرکزی ریاستی نظام کے قیام کے بغیر رائج جمہوریت کا تسلسل بھی وہ نتائج برآمد نہیں کر سکتا جس کا ذکر اور

خواہش ہمارے تجزیہ نگار، اخبارات اور ٹی وی سکرینوں پر کرتے ہیں۔

یوں آئندہ انتخابات میں ایک بار پھر وہی لوگ ابھر کر سامنے آئیں گے جنہوں نے 2008ء کے انتخابات میں حصہ لیا۔ ان میں وہ تمام امیدوار میدان میں اتریں گے جو 2008ء کے انتخابات میں کامیاب ہوئے یا جنہوں نے دوسری اور تیسری پوزیشن حاصل کی۔ آئندہ منتخب اسمبلیوں میں اکثریت وہی چہرے ہوں گے جو ان ایوانوں کو اپنے ''وجود سے شرف'' بخشتے ہیں، اس لیے ایسی انقلابی توقعات کہ انتخابات کے بعد پاکستان کسی بنیادی نظام کی تبدیلی کی طرف رواں ہو جائے گا، ایک معصومانہ تصور ہی ہے۔ البتہ انتخابی نظام کے ذریعے لوگوں کو دیا گیا ووٹ کا حق ایک اہم عوامی حق ہے اور اس حق کی درست ادائیگی اس وقت ہی ممکن ہوگی جب پاکستان کی موجود سیاسی جماعتیں، ان میں سے کوئی ایک سیاسی جماعت یا کوئی نئی سیاسی جماعت، سماجی اور ریاستی تبدیلی کے ایک منشور اور اس منشور پر عمل پیرائی کے لیے کیڈر اور قیادت کے ساتھ سامنے آئے اور وہ ایسی عوامی سیاسی خواہش کی بھرپور تائید رکھتی ہو جو بوسیدہ نظام کو ڈھانے کی طاقت رکھتی ہو۔ تب کہیں جا کر پاکستان ایک حقیقی عوامی جمہوری انقلاب کی راہ پر گامزن ہوسکتا ہے۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ دونوں بڑی سیاسی جماعتیں پاکستان پیپلز پارٹی اور پاکستان مسلم لیگ (ن) انتخابات سے قبل اپنی کامیابی کے لیے سندھ اور پنجاب میں جاگیرداروں اور نو دولتی کلاس پر اپنا انحصار بڑھاتی جا رہی ہیں اور اگر اس رجحان کو 1970ء کے انتخابات کے تناظر میں دیکھیں تو یہ آگے کی جانب نہیں ماضی کی جانب سفر رکھتا ہے۔ مسلم لیگ (ن) نے پچھلے پانچ برسوں میں ان روایتی سیاسی چہروں اور خاندانوں پر اپنا انحصار بڑھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ سندھ اور پنجاب میں مسلم لیگ (ن) نے ایک نئی مڈل کلاس قیادت کو جنم دینے کی بجائے پیروں، وڈیروں، جاگیرداروں اور موروثی سیاسی خاندانوں کے لیے اپنی جماعت کے دروازے کھول دیئے ہیں اور یہی رجحان پاکستان پیپلز پارٹی حتیٰ کہ انقلاب کی داعی پاکستان تحریک انصاف کا بھی ہے۔ ملک بھر میں انتخابات سے قبل روایتی سیاسی جاگیردار خاندان اور نو دولتی اشرافیہ کا سیاسی جماعتوں میں بڑھتا ہوا اثر ورسوخ کیا کسی عوامی تبدیلی کا پیغام دے رہا ہے یا کہ جاگیردارانہ اور روایتی سیاست کا؟ کیا سیاسی جماعتیں ایسا میکنزم بنانے کی جانب گامزن ہیں جو پاکستان میں عوام کو دیئے گئے ووٹ کے اس حق کے ذریعے ملک کو سماجی جمہوریت (Social Democracy) کی طرف لے جائے؟

انتخابات کا انعقاد ایک Instrument ہے منزل (Destiny) نہیں۔ انتخابات کا نام جمہوریت نہیں، جمہوریت کا قیام اس وقت ہی ممکن ہوسکتا ہے جب ووٹ کی طاقت میں سیاسی منشور اور عوامیت رچ بس جائے اور ووٹ کی طاقت سے سماجی نظام کے قیام کی اصلاحات ممکن ہوں۔ جمہوریت ایک ریفارمسٹ ریاست کے بغیر پنپ نہیں سکتی، اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ جب منتخب نظام کی جگہ آمرانہ حکومتیں قائم ہوتی ہیں تو انہی خاندانوں کے چشم و چراغ، آمریت کے دست و بازو بن جاتے ہیں۔ ایک ریفارمسٹ ریاست کا قیام جاگیردارانہ اور قبائلی نظام کو توڑے بغیر اور تعلیم عام کیے بغیر ناممکن ہے۔ حقیقی جمہوریت اور جاگیرداری ایک دوسرے کی ضد ہیں اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ پاکستان میں جاگیرداری معدوم یا محدود ہو چکی ہے، ان کو یہ علم ہونا چاہیے کہ جاگیرداری اب خاندانوں کے علاوہ مختلف اداروں تک پھیل چکی ہے۔ فیوڈل ازم اور ڈیموکریسی کی پیوندکاری کے نتیجے میں جو جمہوریت قائم ہوئی ہے، پاکستان اس کی بہتر مثال ہے جہاں پر مختلف اوقات میں منتخب نظاموں کے ذریعے یہ تجربہ دہرایا جاتا ہے۔